بحث و نظر

اسلام کا عقیدۂ توحید
اور اس کے قرآنی دلائل

مولانا ضیاء الدین اصلاحی

خدا کا انکار بداہت کا انکار ہے، دنیا کے اکثر مذاہب میں خدا کا تصور و اعتقاد موجود ہے، اسلام سے پہلے کے عرب بھی خدا کو مانتے تھے اور اس کی بہت سی صفتوں کو تسلیم کرتے تھے، قرآن مجید نے مختلف آیتوں میں اس کی صراحت کی ہے کہ مشرکین و کفار بھی خدا کے منکر نہ تھے چنانچہ فرمایا:۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ...... وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (عنکبوت: ۶۱ و ۶۳)

اور اگر تم اُن (مشرکین) سے پوچھو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو (تمہارے لیے) مسخر کیا تو وہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ نے، پس یہ لوگ کہاں بھٹک رہے ہیں.... اور اگر تم ان سے دریافت کرو کہ کس نے آسمان سے پانی اتار کر اس سے زمین کو مر جانے کے بعد زندہ کر دیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے، کہو سب تعریف اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے، مگر اکثر لوگ (اسے) نہیں سمجھتے۔

وہ خدا کے ساتھ اولیاء اس لیے ٹھہراتے تھے کہ وہ اللہ سے ان کی قربت کا ذریعہ ہیں:۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ

اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا مددگار بنا لیے ہیں، کہتے ہیں ہم ان کو نہیں پوجتے

اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (زمر: ۳) ہیں مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔

قرآن مجید انھیں اس بات پر ملامت نہیں کرتا تھا کہ وہ خدا کو نہیں مانتے تھے بلکہ وہ ان کو اس لیے مطعون کرتا ہے کہ وہ خدا کو صحیح طور پر اور صحیح ڈھنگ سے نہیں مانتے اور اس کی عظمت، کبریائی اور بڑائی کا جیسا لحاظ کرنا چاہئے نہیں کرتے!

ارشاد ربانی ہے:۔

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا اور ان میں سے اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھتے
وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ (یوسف: ۱۰۶) مگر شرک کے ساتھ۔

خدا کے باب میں لوگوں کی اس عام گمراہی کی وجہ سے قرآن مجید نے اس کو اپنی تعلیم و ہدایت کا خاص مرکز و موضوع بنایا ہے یہی وجہ ہے کہ توحید اسلام کا اصل الاصول اور اولین بنیادی عقیدہ ہے، اسلام کو جو چیز دوسرے مذاہب سے ممتاز اور مختص قرار دیتی ہے وہ خدا کا یہی صحیح تصور ہے، مشرکین کو قرآن سے نفرت و بیزاری اس لیے تھی کہ وہ توحید کی تعلیم دیتا تھا جبکہ انھیں خدائے واحد کا نام سننا بھی گوارہ نہ تھا چنانچہ فرمایا:۔

اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ کَفَرْتُمْ جب اللہ واحد کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار
وَاِنْ یُّشْرَکْ بِہٖ تُؤْمِنُوْا کر دیتے تھے اور اگر اس کے شریک ٹھہرائے
(مومن: ۱۲) جاتے تھے تو تم مان لیتے تھے۔

دوسری جگہ ہے:۔

وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَأَزَّتْ اور جب اللہ واحد کا ذکر کیا جاتا ہے
قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ تو ان لوگوں کے دل سکڑ جاتے ہیں جو
بِالْاٰخِرَۃِ (زمر: ۴۵) آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

تصورِ توحید کی قدامت

حالانکہ توحید انسان کے دل کی آواز اور اس کی فطرت کا عین اقتضاء ہے، ابتداءً انسان اسی عقیدہ پر قائم و استوار رہا مگر آہستہ آہستہ وہ توحید کی صراط مستقیم سے منحرف ہونے لگا اور ایک خدا کے بجائے ان گنت معبودوں کی پرستش کرنے لگا، دنیا کے ہر گوشہ میں تدریجی ارتقاء کا عمل پایا جاتا ہے، انسان کے جسم کی طرح اس کے دماغی تصورات بھی پچھلے

درجوں سے بلند ہوکر بتدریج اونچے درجوں تک پہنچے ہیں لیکن خدا کی ہستی کے تصور کے معاملہ میں صورت حال اس سے مختلف دکھائی دیتی ہے، یہاں ارتقاء کی جگہ ایک طرح کا تنزل یا ارتجاع کا قانون کارفرما نظر آتا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں:۔

> "انسانی دماغ کا سب سے زیادہ پرانا تصور جو قیامت کی تاریکی میں چمکتا ہے وہ توحید کا تصور ہے یعنی صرف ایک ان دیکھی اور اعلیٰ ہستی کا تصور جس نے انسان کو اور ان تمام چیزوں کو جنھیں وہ اپنے چاروں طرف دیکھ رہا تھا پیدا کیا لیکن پھر اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس جگہ سے قدم بتدریج پیچھے ہٹنے لگے اور توحید کی جگہ آہستہ آہستہ اشراک اور تعدد آلہہ کا تصور پیدا ہونے لگا یعنی اب اس ایک ہستی کے ساتھ جو سب سے بالاتر ہے دوسری قوتیں بھی شریک ہونے لگیں اور ایک معبود کی جگہ بہت سے معبودوں کی چوکھٹوں پر انسان کا سر جھک گیا۔
>
> اگر خدا کے تصور میں وحدت کا تصور انسانی دماغ کا بلند تر تصور ہے اور اشراک و تعدد کے تصورات نچلے درجہ کے تصورات ہیں تو ہمیں اس نتیجہ تک پہنچنا پڑتا ہے کہ یہاں ابتدائی کڑی جو نمایاں ہوئی وہ نچلے درجہ کی نہ تھی، اونچے درجے کی تھی اور اس کے بعد جو کڑیاں ابھریں انھوں نے بلندی کی جگہ پستی کی طرف رخ کیا، گویا ارتقاء کا عام قانون یہاں بے اثر ہوگیا، ترقی کی جگہ رجعت کی اصل کام کرنے لگی۔" (ترجمان القرآن تفسیر سورۂ فاتحہ جلد اول ص۱۲۴)

انیسویں صدی کے علمائے اجتماعیات کا خیال ہے کہ انسان کے دینی عقائد کی ابتدا ان اوہامی تصورات سے ہوئی جو اس کی ابتدائی معیشت کے طبعی تقاضوں اور احوال و ظروف کے قدرتی اثرات سے نشوونما پانے لگے تھے، یہ تصورات قانون ارتقاء کے ماتحت درجہ بدرجہ مختلف کڑیوں سے گزرتے رہے اور بالآخر انھوں نے اپنی ترقی یافتہ صورت میں ایک اعلیٰ ہستی اور خالق کل خدا کے عقیدے کی نوعیت اختیار کر لی۔

ان علمائے اجتماعیات کے خیال کے مطابق خدا کے بارے میں انسان پہلے اوہامی تصورات رکھتا تھا جن سے تعداد آلہہ اور طرح طرح کی الٰہی قوتوں کا تصور پیدا ہوا اور پھر اسی تصور نے ترقی کر کے خدا کے ایک توحیدی اعتقاد کی شکل اختیار کر لی مگر مولانا ابوالکلام آزاد

اس خیال اور نظریے کی مدلل تردید کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ بیسویں صدی کے انکشافات نے نہ صرف یہ کہ اس بنیادیں متزلزل کر دی ہیں بلکہ اسے یک قلم منہدم کر دیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

"اب انھیں ٹھوس اور ناقابل انکار تاریخی شواہد کی روشنی میں صاف صاف نظر آ گیا کہ انسان کے دینی عقائد کی جس نوعیت کو انھوں نے اعلیٰ اور ترقی یافتہ قرار دیا تھا وہ بعد کے زمانوں کی پیداوار نہیں ہے بلکہ جمعیت بشری کی سب سے زیادہ پرانی متاع ہے، مظاہر فطرت کی پرستش، حیوانی انتسابات کے تصورات، اجداد پرستی کی رسوم اور جادو کے توہمات کی اشاعت سے بھی بہت پہلے جو تصور انسانی دل و دماغ کے افق پر طلوع ہوا تھا وہ ایک اعلیٰ ترین ہستی کی موجودگی کا بے لاگ تصور تھا یعنی خدا کی ہستی کا توحیدی اعتقاد" (ترجمان القرآن جلد اول[۱۲۶])

مولانا نے آسٹریلیا اور جزائر کے وحشی قبائل اور مصر کے قدیم ترین آثار، دجلہ و فرات کی قدیم آبادیوں کی کھدائی، مہنجدارو کے آثار اور سامی قبائل کی جدید اثریات کی روشنی میں نہایت مدلل طور پر ثابت کیا ہے کہ ان سب ملکوں میں ایک ان دیکھے خدا کی ہستی کا اعتقاد موجود تھا اور ان کے باشندوں کا بنیادی تصور توحید الٰہی کا تصور تھا، اصنام پرستانہ تھا۔

دینی نوشتوں اور قدیم قوموں کی مذہبی روایات سے بھی یہی حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ انسان کا قدیم اور اصلی تصور توحید کا تھا۔

توحید کے قرآنی دلائل سے متکلمین کی بے پروائی

قرآن مجید نے انسانی فطرت کے اس وجدانی احساس اور سب سے قدیم، برحق اور مانوس عقیدۂ توحید کی صدا نہایت زور و شور سے بلند کی اور اسے بار بار اتنے مختلف پیرائے اور متعدد اسلوب میں اس قدر دلکش انداز اور دلآویز طرز میں دہرایا کہ کسی کو بھی شک و انکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے، اس نے دلائل و شواہد کے انبار لگا دئے مگر کلام و عقائد کی کتابیں توحید کے قرآنی دلائل سے خالی ہیں، متکلمین اسلام نے یونانی فلسفہ و منطق سے کثرت اشتغال کی بنا پر توحید اور دوسرے عقائد اسلامیہ کے اثبات میں اپنا تمام تر دار و مدار معقولات و مظنونات پر رکھا اور قرآن مجید میں غیر ضروری اور دور از کار تاویل و توجیہ سے کام لیا، کتب کلامیہ کی قرآنی دلائل سے تہی مائیگی کا ذکر کرتے علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں:

"خدا کے ثبوت کے متعلق خود قرآن مجید میں خطابی اور برہانی دونوں

قسم کے دلائل موجود تھے لیکن کتب کلامیہ میں ان کا ذکر تک نہیں"۔ (علم الکلام حصہ اول ص۱۹)
علامہ شبلی کتب عقائد کی بے مائیگی کے ساتھ ان کی بعض غلطیوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:۔

"سب سے بڑی غلطی متاخرین سے یہ ہوئی کہ سیکڑوں وہ باتیں جن کو نفیاً یا اثباتاً مذہب اسلام سے چنداں تعلق نہ تھا عقائد اسلام میں شامل کرلی گئیں اور علم کلام کا بڑا حصہ ان کے اثبات اور استدلال میں صرف ہوگیا، شرح مواقف اور شرح مقاصد وغیرہ سے مسائل عقائد کا انتخاب کرو تو سیکڑوں تک تعداد پہنچے گی حالانکہ ان میں جن کو عقائد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے دہائی سے بھی کم ہوں گے..... دوسری غلطی یہ ہوئی کہ بہت سے عقائد میں شارع نے جس قدر تصریح کی تھی اس پر اضافہ کیا گیا اور ان اضافوں کو جزء عقیدہ قرار دیا گیا اور چونکہ یہ ایجادات اکثر دور از کار تھیں اس لیے ان کے ثابت کرنے میں ہر قسم کی بے نذری صرف کی گئی جو بالکل رائگاں گئی..... اس طرح اور بہت سے غیر ضروری مسائل عقائد میں شامل ہو گئے اور طرہ یہ کہ یہی عقائد اہل سنت والجماعت ہونے کا معیار قرار پائے"۔ (علم الکلام حصہ اول ص۱۹۷، ۱۹۸)

اس غلطی اور بے مائگی کا سبب یہ ہوا کہ متکلمین معقولات و مظنونات کی پیر تیچ وادی میں جا پڑے اور انھوں نے قرآن کے طریقۂ بحث اور اسلوب استدلال کو نظر انداز کردیا، چنانچہ توحید کو بھی ثابت کرنے کے لیے منطق کے اصول موضوعہ کے مطابق مقدمات ترتیب دئے گئے اور صغریٰ و کبریٰ قائم کرکے نتائج نکالے گئے حالانکہ قرآن کے طرز استدلال کی نوعیت اس سے یکسر مختلف ہے۔

قرآن مجید کے طریقۂ استدلال کی خوبی و دل نشینی

قرآن مجید کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا اس کی بلاغت اور اثر آفرینی کا سب سے بڑا ثبوت ہے، اسی لیے وہ فلسفیانہ اور متکلمانہ بحث وجدال کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے لوگوں کی ذہنیت کو سامنے رکھ کر اپنے دلائل و حجج پیش کرتا ہے اس طرح اس کا اصلی مدعا بھی آشکارا ہو جاتا ہے اور لوگوں کے عقائد و خیالات کی گمراہیاں اور غلطیاں بھی اچھی طرح

واضح ہوجاتی ہیں، اس کے طرزِ استدلال کی خوبی اور دل نشینی سے منکرینِ خدا اس کے وجود کے قائل ہوجاتے ہیں اور وہ لوگ بھی شرحِ صدر اور اطمینانِ قلب حاصل کرلیتے ہیں جو خدا کی ذات، اس کی صفات اور ان کے لوازم کے بارے میں غلط نقطۂ نظر کے حامل ہوتے ہیں، مولانا ابوالکلام آزاد نے قرآنی دلائل کی عظمت وجاذبیت اور متکلمین کے طریقۂ بحث واستدلال کی خامی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"قرآن کا اسلوبِ بیان یہ نہیں ہے کہ نظری مقدمات اور ذہنی مسلمات کی شکلیں ترتیب دے اور پھر اس پر بحث وتقریر کرکے مخاطب کو رد وتسلیم پر مجبور کرے، اس کا تمام تر خطاب انسان کے فطری وجدان وذوق سے ہوتا ہے، وہ کہتا ہے خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہے، اگر ایک انسان اس سے انکار کرنے لگتا ہے تو یہ اس کی غفلت ہے اور ضروری ہے کہ اسے غفلت سے چونکا دینے کے لیے دلیلیں پیش کی جائیں، لیکن یہ دلیل ایسی نہیں ہونی چاہئے جو محض ذہن ودماغ میں کاوش پیدا کردے بلکہ ایسی ہونی چاہئے جو اس کے نہاں خانۂ دل پر دستک دے دے اور اس کا فطری وجدان بیدار کردے، اگر اس کا وجدان بیدار ہوگیا تو پھر اثباتِ مدعا کے لیے بحث وتقریر کی ضرورت نہ ہوگی، خود اس کا وجدان ہی اسے مدعا تک پہنچا دے گا یہی وجہ ہے کہ قرآن خود انسانی کی فطرت ہی سے انسان پر حجت لاتا ہے:۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ ۙ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ	بلکہ انسان کا وجود خود اس کے خلاف (یعنی اس کی کج اندیشیوں کے خلاف) حجت ہے اگرچہ وہ (اپنے وجدان کے خلاف) کتنے ہی عذر بہانے تراش لیا کرے۔
(قیامہ: ۱۴،۱۵)	

اور اسی لیے وہ جا بجا فطرتِ انسانی کو مخاطب کرتا اور اس کی گہرائیوں سے جواب طلب کرتا ہے..... وہ مخاطب سے اس طرح اور ایسے سوالات کرتا ہے جو اپنی جگہ ایک مستقل دلیل ہوتے ہیں، کیوں کہ ہر سوال کا صرف ایک ہی جواب ہوسکتا ہے اور وہ فطرتِ انسانی کا عالمگیر اور مسلمہ اذعان ہے، ہمارے متکلموں کی نظر اس پہلو پر نہ تھی اس لیے قرآن کا اسلوبِ استدلال

ان پر واضح نہ ہوسکا اور وہ دور دراز گوشوں میں بھٹک گئے۔"

(ترجمان القرآن جلد اول ص۵۱ تا ۵۲)

قرآن مجید اور متکلمین کے استدلال کا فرق بھی مولانا کی زبان سے سننے کے لائق ہے، کیا خوب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"قرآن حکیم کے دلائل و براہین پر غور کرتے ہوئے یہ اصل ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اس کے استدلال کا طریقہ منطقی بحث و تقریر کا طریقہ نہیں ہے جس کے لیے چند در چند مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر اثبات مدعا کی شکلیں ترتیب دینی پڑتی ہیں بلکہ وہ ہمیشہ براہ راست تلقین کا قدرتی اور سیدھا سادا طریقہ اختیار کرتا ہے، عموماً اس کے دلائل اس کے اسلوب بیان و خطاب میں مضمر ہوتے ہیں، وہ یا تو کسی مطلب کے لیے اسلوب خطاب ایسا اختیار کرتا ہے کہ اسی سے استدلال کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے یا پھر کسی مطلب پر زور دیتے ہوئے کوئی ایک ایسا لفظ بول جاتا ہے کہ اس کی تعبیر ہی میں اس کی دلیل بھی موجود ہوتی ہے اور خود بخود مخاطب کا ذہن دلیل کی طرف پھر جاتا ہے چنانچہ اس کی ایک واضح مثال یہی صفت ربوبیت کا جا بجا استعمال ہے، جب وہ خدا کی ہستی کا ذکر کرتا ہوا اسے رب کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے تو یہ بات کہ وہ رب ہے جس طرح اس کی ایک صفت ظاہر کرتی ہے، اسی طرح اس کی دلیل بھی واضح کر دیتی ہے، وہ رب ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس کی ربوبیت تمہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اور خود تمارے دل کے اندر گھر بنائے ہوئے ہے پھر کیونکر تم جرأت کر سکتے ہو کہ اس کی ہستی سے انکار کرو، وہ رب ہے اور رب کے سوا کون ہو سکتا ہے جو تمہاری بندگی و نیاز کا مستحق ہو.....

افسوس ہے کہ ہمارے مفسروں کی نظر اس حقیقت پر نہ تھی کیونکہ منطقی استدلال کے استغراق نے انھیں قرآن کے طریق استدلال سے بے پروا کر دیا تھا نتیجہ یہ نکلا کہ ان مقامات کے ترجمہ و تفسیر میں قرآن کے اسلوب بیان

کی حقیقی روح واضح نہ ہوسکی اور استدلال کا پہلو طرح طرح کی توجیہات میں گم ہوگیا"۔ (ترجمان القرآن جلد اول صلا۶۱، ۶۲)

توحید کے قرآنی دلائل کی نوعیت و بنیاد

قرآن مجید کے استدلال کی بنیاد و نوعیت خطابی والزامی بھی ہوتی ہے اور عقلی و برہانی بھی، جن لوگوں نے قرآن مجید پر گہری نظر ڈال کر اس کے استدلال کی خوبیوں پر غور نہیں کیا انھوں نے اس کے دلائل کو ظنی اور الزامی سمجھ لیا اور کہا کہ اس کو برہانیت سے کوئی تعلق نہیں، دورِ حاضر کے فلسفہ وسائنس کے شیدائیوں کو بھی یہی دھوکہ ہوا جس کے نتیجہ میں انھیں قرآن کے دلائل فلسفہ وسائنس کی دلیلوں کے مقابلے میں ہیچ اور کمتر نظر آرہے ہیں ذیل میں قرآن مجید سے توحید کے سیدھے سادے اور فطری وبدیہی استدلال کے بعض نمونے پیش کیے جاتے ہیں اس سے قرآن کے حسنِ استدلال کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوگا کہ حکماء و متکلمین کے طریقہ استدلال کے مقابلہ میں قرآن کا استدلال کس قدر قوی، برتر، موثر اور دل نشیں ہے۔ جو علماء زندگی بھر فلسفیانہ قیل وقال اور مباحث کلامیہ میں الجھ کر توحید کے منطقیانہ دلائل میں کاوش و کرید کرتے رہے انھیں بھی بالآخر اعتراف کرنا پڑا کہ توحید اور دوسرے عقائد کے اثبات میں قرآنی بحث و استدلال سے ہی گتھیاں اور پیچیدگیاں سلجھ سکتی ہیں اور اسی سے شرح صدر اور صحیح رہنمائی بھی نصیب ہوسکتی ہے۔

توحید کے قرآنی دلائل کی خطابی والزامی نوعیت

قرآن اپنے استدلال کی ایک بنیاد خود مخاطب کے اقرار واعتراف پر قائم کرتا ہے یعنی مخاطب جن باتوں کو مانتا اور تسلیم کرتا ہے اور جو چیزیں اس کے نزدیک بالکل بدیہی، یقینی اور ثابت شدہ ہوتی ہیں قرآن ان کے مقتضیات ولوازم کی تشریح کرکے ان کو بھی اسے ماننے اور تسلیم کرنے کی دعوت دیتا ہے اور جو امور ان مسلمات اور ثابت شدہ حقائق کے خلاف ہوتی ہیں ان کو رد کرنے کا مخاطب سے بھی مطالبہ کرتا ہے، استدلال کا یہ طریقہ خطابی والزامی ہونے کے باوجود بالکل فطری اور عقلی ہے کہ مخاطب کے اعترافات اور مسلمات بیان کرکے ان سے اس پر حجت قائم کی جائے۔ یہ خیال غلط ہے کہ استدلال کے اس طریقہ میں اس کی اساس و بنیاد بلا ثبوت ہوتی ہے، قرآن مجید حشو وزوائد سے پاک ہے اس لیے اس کا یہ انداز نہیں ہوتا

کہ جو بات مخاطب کے نزدیک قطعی اور تسلیم شدہ ہے اس کو بھی مدلل کرنے پر وقت ضائع کرے ۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لیے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔

مشرکین خدا اور اس کی متعدد صفتوں کو مانتے تھے، اس کی بنیاد پر قرآن مجید نے ان سے کہا کہ ان صفات کے لوازم اور مقتضیات کو بھی تسلیم کرو اور ان کو ماننے اور تسلیم کرنے کے نتیجہ میں جن باتوں کی نفی ہوتی ہے ان کو نہ مانو مثلاً وہ یہ مانتے تھے کہ خدا ہی آسمان و زمین کا خالق، مخلوق کو روزی اور موت و حیات دینے والا ہے لیکن اسے رب، حاکم اور مالک نہیں مانتے تھے اس بنا پر قرآن نے ان کے رویے کی مذمت کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ جب تم ان صفات کو تسلیم کرتے ہو تو اس سے خود بخود تم پر یہ بھی لازم آجاتا ہے کہ اسی کو رب بھی مانو ۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ	پوچھو! وہ کون ہے جو آسمان و زمین سے
وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ	تمہیں روزی دے رہا ہے یا وہ کون ہے جس
وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ	کے قبضہ میں تمہارے کان اور آنکھیں ہیں
مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ	اور وہ کون ہے جو بے جان سے جان دار
مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ	کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے اور
فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا	وہ کون سی ہستی ہے جو کارخانہ عالم کا نظم و
تَتَّقُوْنَ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ	نسق کر رہا ہے تو یقیناً وہ یہی کہیں گے کہ
الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ	اللہ ہے' اچھا تو ان سے کہو پھر کیوں اس
اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ	سے نہیں ڈرتے، ہاں بے شک یہ اللہ ہی
(یونس: ۳۱-۳۲)	ہے جو تمہارا حقیقی رب ہے، پس حق کے بعد
	گمراہی کے سوا اور کیا ہے تو تم کہاں بھٹکے
	جاتے ہو۔

دوسری جگہ ان کے اس اقرار و تسلیم کا ذکر کر کے کہ آسمان کا خالق اللہ ہے ان پر یہ حجت قائم کی ہے کہ امر و حکم بھی اسی کا ہونا چاہیئے :-

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے
وَالْاَرْضَ .... اَلَا لَهُ الْخَلْقُ	آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ...... آگاہ کہ
وَالْاَمْرُ (اعراف: ۵۴)	خلق و امر اسی کے لیے خاص ہے۔

مشرکین کو اپنے معبودوں کی درماندگی ومجبوری اور ان کے عجز و بے بسی کا اعتراف تھا مگر اس کے باوجود وہ ان کی پرستش کرتے تھے، قرآن مجید نے ان کے اس اعتراف وتسلیم سے ان کے خلاف حجت پیش کی اور کہا کہ جب تم ان کی بے بسی اور مجبوری کا خود مشاہدہ کرتے رہتے ہو اور یہ باور کرتے ہو کہ وہ نہایت عاجز و درماندہ ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ کسی کو روزی پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی کو نفع وضرر دے سکتے ہیں، اپنی عاجزی و بے بسی کی وجہ سے اپنی حمایت و مدافعت بھی نہیں کر سکتے تو پھر ان کی عبادت کیوں کرتے ہو، پرستش کے لائق تو وہ خدائے واحد ہے جو قوی وقادر ہے، اس قسم کی آیتیں بے شمار ہیں، ایک مثال ملاحظہ ہو۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ	اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے
فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ	اسے غور سے سنو، اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا	ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اس
ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ	کے لیے سب کے سب اکٹھا ہو جائیں اور اگر
يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا	مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو یہ اس سے
يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ	واپس نہیں لے سکتے، طالب و مطلوب دونوں
الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا	ناتواں اور کمزور ہیں، انھوں نے اللہ کی ویسی
اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ	قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہیے تھی، بے شک اللہ
عَزِيْزٌ ۝ (الحج: ۷۳، ۷۴)	قوت والا اور غالب ہے۔

توحید کے قرآنی دلائل کی برہانی نوعیت

اس کی تردید پہلے ہی کی جاچکی ہے کہ قرآن کے الزامی اور خطابی دلائل کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ وہ برہانیات اور ٹھوس عقلی وفطری دلائل سے خالی اور اس کا استدلال تمام تر ظنی ہے غلط ہے، دراصل یہ قرآنی استدلال کی ایک خاص نوعیت تھی، اس کی دوسری نوعیت برہانی ہے جس کی بنیاد نظام کائنات اور خود انسانی فطرت پر مبنی ہے، قرآن نے دلائل کی اسی قسم کو آیات اللہ کہا ہے جو بالکل واضح، صریح، قطعی اور اس قدر موثر، دل نشیں اور اینچ پیچ سے خالی ہیں کہ استدلال کے وضعی اور منطقیانہ انداز کو ان سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، قرآن مجید نے ان کا بار بار نہایت کثرت سے ذکر کیا ہے اور انہی کے متعلق فرمایا ہے کہ:۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (حٰم السجدہ: ۵۳)

ہم ان کو اپنی دلیلیں کائنات میں اور خود ان کے اندر دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (ذاریات ۲۱-۲۲)۔

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور تمہارے نفوس کے اندر بھی ہیں، کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتی ہیں اور آسمان میں تمہاری روزی اور وہ چیز بھی ہے جس کی تمہیں دھمکی دی جاتی ہے۔

دلائل آفاق

اسی لیے وہ بار بار خدا کی وحدانیت اور یکتائی کو ثابت کرنے کے لیے انسان کو کائنات کا مشاہدہ کرنے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور دنیا کی تمام چیزوں میں غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ انسان کو خود اپنے وجود اور خلقت پر غور کرنے سے بھی خدا کے ایک ہونے کی گوناں گوں شہادتیں ملیں گی۔ پہلے ہم کائنات کے دلائل پر بحث کرتے ہیں جن کو قرآن نے آفاقی دلائل سے تعبیر کیا ہے۔

دراصل یہ کائنات اور اس کے درمیان کی ساری چیزیں۔ اس کا مضبوط و مستحکم نظام خدا کی ربوبیت و رحمت کا مظہر اور اس کی حکمت و خلاّقی کا نتیجہ ہے، ہم اس کا ہر وقت مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہیں اگر ہم اس پر غور کریں تو اس کی ہر ہر چیز بلکہ اس کا ایک ادنیٰ اور معمولی ذرہ بھی ہم کو ایک ایسے معبود حقیقی کے وجود کا پتہ دے گا جو جمال و کمال کی تمام صفات سے متصف ہے اور ہماری عقل و فطرت خود بول اٹھے گی کہ یہ سارا نظام کسی حکیم و دانا ہستی کی کرشمہ سازی کا نتیجہ ہے:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

قرآن مجید نے کائنات اور اس کے مظاہر سے مختلف حیثیتوں سے خدا کی وحدانیت پر استدلال کیا ہے، اس کی ایک اہم دلیل اس کارخانۂ عالم کی یکسانی و ہم آہنگی ہے۔ طوالت کے

خوف سے ہم اسی ایک مثال پر اکتفا کریں گے۔

نظام عالم کی یکسانی و ہم آہنگی توحید کی اہم قرآنی دلیل ہے۔

قرآن مجید میں یہ بات متعدد جگہ بیان ہوئی ہے کہ خدا نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے مثلاً:۔

وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا (نباء: ۸)	اور ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا

دوسری جگہ فرمایا:۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ	اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (ذاریات: ۴۹)	یاد دہانی حاصل کرو۔

قرآن اس بات کو توحید اور معاد دونوں کے ثبوت میں پیش کرتا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ ساری کائنات مختلف اجزا و عناصر کا مجموعہ ہے اور گو اس کے اکثر اجزا ایک دوسرے سے بالکل مختلف و متضاد معلوم ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود ان میں ایسی ہم آہنگی اور باہمی یکتائی ہے کہ اگر ایک کا وجود نہ ہو تو دوسری بالکل بے معنی ہو جائے گویا کائنات کے ان مقابل و متضاد عناصر میں وہی وحدت و موافقت ہے جو ہر چیز کے جوڑے میں ہوتی ہے۔ مرد و عورت مختلف خصوصیات کے مالک ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے لیے جس طرح ناگزیر ہوتے ہیں اسی طرح وہ بالکل ہم آہنگ اور موافق بھی ہوتے ہیں، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایسی بے مثال ہم آہنگی اور یکسانی بغیر کسی حکیم و علیم ذات کے ارادہ کی کارفرمائی کے یوں ہی اور اتفاقاً نہیں ہو سکتی۔

زوجین کی طرح کائنات خلقت کے ہر گوشے میں ہمیں مختلف و متضاد عناصر میں ایسی ہی مناسبت اور سازگاری نظر آتی ہے رات، دن، سورج، چاند اور زمین و آسمان میں سے ہر ایک دوسرے کے نقص اور کمی کو پورا کرنے کے لیے بنایا گیا ہے اور سب مل کر اپنی غایت و مقصد کی تکمیل کرتے ہیں، اسی لیے قرآن مجید میں اکثر ان مختلف اجزا کا ایک ساتھ ذکر کر کے توحید و آخرت پر دلیل فراہم کی گئی ہے مثلاً

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا	کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا اور پہاڑ
وَّالْجِبَالَ أَوْتَادًا وَّخَلَقْنَاكُمْ	کو میخیں اور نہیں پیدا کیا جوڑے جوڑے اور
أَزْوَاجًا وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا	بنایا تمہاری نیند کو آسائش اور رات کو پوشش

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ	اور دن کو معاش اور سات مضبوط چیزیں تمہارے
مَعَاشًا وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا	اوپر سے چن دیں اور ایک جگمگاتا چراغ بنایا
وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا وَّاَنْزَلْنَا	اور نچوڑنے والیوں میں سے دھڑ دھڑاتا
مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ	پانی گرایا تاکہ ہم اس سے نکالیں اناج اور
بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا	سبزی اور گنجان باغ۔

(نبا: ۶-۱۶)

یہ اور اس طرح کی دوسری بے شمار آیتوں میں جہاں متقابل بلکہ متضاد اشیاء کا ذکر ہوتا ہے عموماً توحید و معاد کے دلائل اسی حیثیت سے بیان ہوئے ہیں کہ اس کائنات کے تمام اضداد کے اندر مکمل توافق، ہم آہنگی اور یکسانی پائی جاتی ہے جو اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ باہم متقابل بلکہ متضاد اجزا و عناصر ایک ہی خالق کے ارادہ و حکمت سے ظہور و وجود میں آئے ہیں اور اس کی حکمت و منشا کے مطابق اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کے اندر مختلف خداؤں کے ارادوں اور تصرفات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ وہی ایک ذات ہے جو کائنات کے ان اضداد میں ربط و اتصال پیدا کر کے ان سے صالح اور مفید نتائج برآمد کرتی ہے اور اپنی حکمت و تدبیر سے ان سب کے درمیان میل اور جوڑ کو قائم رکھتی ہے، یہ بے مثال وحدت و یکجہتی اور ایسی مکمل ہم آہنگی و یکسانی مختلف ذاتوں اور یزداں و اہرمن کے ارادوں کی کارفرمائی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

دو متقابل و متضاد اشیاء کی طرح یہ پوری کائنات ایک ہمہ گیر یکسانی اور مکمل توافق کا دلکش نمونہ ہے جو توحید کی نہایت واضح اور صریح دلیل ہے کیونکہ یہ توافق مختلف دیوی دیوتاؤں کا کرشمہ نہیں ہو سکتا بلکہ ایک خدا کی حکمت و کاریگری کا نتیجہ ہے جس نے بے مثال ربط و ترتیب اور مکمل نظم و ضبط کے ساتھ ان کے درمیان ایسا گہرا اور مضبوط رشتہ پیدا کر دیا ہے۔ ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ لکھتے ہیں۔

"ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کرنے سے استدلال کا ایک رخ یہ ہے کہ یہ تمام کائنات اپنی وسعت اور اپنے مختلف اجزاء کے طبائع کے اختلاف کے باوجود اس بات پر گواہ ہے کہ اس ساری کائنات کا رب ایک ہی ہے، وہی اس پوری کائنات کا انتظام فرما رہا ہے اور وہی اس پر تنہا قابض و متصرف ہے، اگر اس کائنات کے مختلف حصوں کے رب الگ الگ ہوتے

اور وہ اپنے اپنے نقشہ کے مطابق ان کا انتظام کرتے تو یہ ناممکن تھا کہ اس کے مختلف اجزا میں وہ توافق اور سازگاری پائی جا سکتی جو پائی جا رہی ہے، یہ مختلف اجزا ہرگز کسی ایسے نتیجہ کے پیدا کرنے پر متفق نہیں ہو سکتے تھے جو خود ان کو حاصل ہونے کے بجائے کسی اور بالاتر مقصد کے کام آتا حالانکہ ہم اس کائنات کے مختلف اجزاء کو اپنے سے بالاتر اور اپنے سے بعید تر کی خدمت میں ہر آن سرگرم کار دیکھ رہے ہیں۔

.... جوڑے کے ہر فرد کا ایک دوسرے کے لیے سازگار ہونا اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ان کی خالق ان سے الگ کوئی ایسی بالاتر ہستی ہے جو ان کے فوائد و مصالح کو اچھی طرح سمجھتی ہے اور جو جوڑے کے ہر فرد کو دوسرے کے لیے معاون اور سازگار بناتی ہے۔

اس سے ایک ایسے خالق کا ثبوت ملتا ہے جو قادر ہے، حکیم ہے جس نے کائنات کے ہر جز کو دوسرے جز کے نقص کی تلافی کرنے والا اور اس کے ساتھ اس کے جوڑے کی حیثیت سے تعاون اور سازگاری کرنے والا بنایا ہے تاکہ وہ باہم مل کر ان مصالح کو وجود میں لائیں جو اس کے بندوں کے لیے مفید ہیں۔

استدلال کا دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ تمام کائنات مختلف ایسی انواع سے بھری ہوئی ہے جو اپنی اصل، اپنے ماحول اور اپنے اسباب میں مشترک و متحد ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی بالکل مخالف ہیں، یہ چیز اس بات پر دلیل ہے کہ اس کائنات کا انتظام کرنے والا ایک رب ہے جو ان تمام انواع کی ان کے طبعی تقاضوں کے مطابق تربیت کر رہا ہے اور لازماً وہ واحد بھی ہے اور ان سب سے بالاتر بھی، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان مختلف اجزاء کی باہمی کشمکش کے باوجود وہ اس طرح ان کی تدبیر فرما رہا ہے کہ ان میں سے کوئی جز بھی دوسرے جز سے متصادم نہیں ہو سکتا اور اس دنیا کا انتظام بغیر کسی خلل اور خرابی کے برابر چل رہا ہے ...... ہر چیز کے جوڑا جوڑا پیدا ہونے سے جس طرح یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو واحد

ہے اور اس تمام کائنات کی تدبیر فرما رہا ہے' اسی طرح اس بات کو بھی ثابت کر رہا ہے کہ یہ خالق مہربان اور محبت کرنے والا ہے' اس کا علم اور اس کی رحمت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور آسمان سے لے کر زمین تک ہر چیز اس کے تصرف میں ہے تو ظاہر ہے کہ اسی کی یہ شان ہے کہ وہ سب کا ماوی و ملجا بنے کیوں کہ تمام نفع اور نقصان اسی کے قبضہ میں ہے"۔

(تفسیر سورۂ ذاریات ص ۱۱ تا ۱۴)

قرآن نظام عالم کے توافق، ہم آہنگی اور یکسانی کا بار بار ذکر کر کے یہی ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس دنیا کے کئی خدا اور آسمان و زمین کے الگ الگ رب نہیں ہیں بلکہ وہ اکیلا اور تنہا ہے جو ساری کائنات کا بلا شرکت غیرے مالک و حاکم ہے' اسی کے قبضۂ قدرت میں ساری دنیا ہے اور وہی براہ راست اس کا نظام چلا رہا ہے اسی لیے اس میں اس قدر وحدت و یکسانی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ — وہی ہے جو آسمان کا بھی معبود ہے اور وہ عزیز و حکیم ہے۔

(زخرف : ۸۴)

اگر متعدد خدا ہوتے تو سارا نظام عالم درہم برہم ہو جاتا اور اس کے اجزا میں تضاد و اختلاف کے باوجود ایسی ہم آہنگی ناممکن ہوتی:-

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء : ۲۲) — اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ درہم برہم ہو جاتے۔

دلائل النفس

برہانی نوعیت کی دوسری قسم کی دلیلوں کو قرآن مجید نے دلائل النفس کہا ہے' اگر آفاقی دلائل کی حیثیت بیرونی و خارجی شواہد کی تھی تو دلائل النفس کی حیثیت داخلی و اندرونی شواہد کی ہے۔

جس طرح یہ سارا عالم توحید اور خدائی وحدانیت کا ناقابل تردید ثبوت ہے اسی طرح انسان کا وجود، اس کی خلقت، اس کا باطن و داخلی نظام اور اس کی اندرونی کیفیتیں بھی توحید اور وحدت الٰہ کی محکم دلیل ہے۔

توحید انسانی فطرت کی اصلی آواز اور اس کا عین اقتضا ہے

توحید انسان کا وجدانی احساس اور اس کی فطرت کا عین اقتضا ہے اسی لیے اس کی صدا بار بار اس کے دل کی گہرائیوں سے بلند ہوتی رہتی ہے اور خود اس کا وجود مسلسل اور پے بہ پے ہر وقت ایک قادر مطلق کی گواہی اس طرح دیتا رہتا ہے کہ اس کے لیے اسے جھٹلانا ناممکن ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید انسان کی اس باطنی کیفیت اور وجدانی جذبہ کو انسان کی اصل جبلت اور اس فطری عہد سے تعبیر کرتا ہے جس کا روز الست ہی میں اس نے اقرار کیا تھا۔

یہ وجدانی احساس اور فطری عہد انسان کی رگ و پے میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے کہ اگر وہ اس کو جدا کرنا اور فراموش کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، اس کی کیفیت کا ہم اس وقت بخوبی مشاہدہ کرتے ہیں جب انسان ضعف و ناتوانی اور عجز و شکستگی سے دوچار ہو، مندرجہ ذیل آیتوں میں اسی حالت و کیفیت کا ذکر کیا ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ. (انعام: ۶۳، ۶۴)	پوچھو! کون تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں سے نجات دیتا ہے جب کہ اسی کو تم گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے پکارنے ہو کہ اگر اس نے ہم کو اس مصیبت سے چھٹکارا دیا تو ہم اس کے شکر گزار بندوں میں ہو جائیں گے، کہو اللہ ہی تم کو اس سے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے مگر تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو۔

یہاں نفسیات انسانی کے ایک خاص پہلو کو نمایاں کر کے توحید کی دلیل بیان کی گئی ہے اور اسی سلسلہ میں آدمی کی ایک خاص کمزوری اور عام بیماری کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جب وہ مصائب و آلام میں گھر جاتا ہے تو اس کا فطری احساس و وجدان بیدار ہو جاتا ہے اور وہ اس وقت بے اختیارانہ طور پر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے، اس نازک وقت میں اسے اپنے ان معبودان باطل کی یاد نہیں آتی جن کے سامنے وہ اپنا سر نیاز خم کرتا تھا بلکہ ایسی دشوار گھڑی میں وہ خدا ہی سے التجا و فریاد کرتا ہے، اسی کو پکارتا اور اسی جانب متوجہ ہوتا ہے اور دل میں یہ عہد بھی کرتا ہے کہ اگر خدا نے اس مصیبت سے چھٹکارا دیا تو اسی کا شکر

بجالاؤں گا اور اسی سے اپنی لو لگاؤں گا چنانچہ فرعون جیسا سرکش و جابر بھی جب سمندر کی موجوں کی زد میں آیا تو اس کا فطری احساس بیدار ہوگیا اور بے اختیار اس کے دل سے نغمہ توحید ابلنے پڑا۔

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا	فرعون بول اٹھا کہ میں ایمان لایا اس خدا پر
الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ	جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس پر بنی
وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ	اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں
(یونس: ۹۰)	میں ہوں۔

انسان کے اس فطری جذبہ کا ہم برابر مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، قرآن کے استدلال کے زور و قوت اور خوبی و دل نشینی کو دیکھو کہ سوال خود انسان ہی سے کررہا ہے تاکہ اس کے لیے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے، پوچھتا ہے کہ ذرا تم خود ہی بتاؤ کہ سمندر یا خشکی میں جب تم پھنس جاتے ہو تو کون اس موج بلا اور گرداب ہلاکت سے تمہیں نکالتا ہے؟ کیا اس وقت تم خدا سے گڑگڑا کر یہ دعا نہیں کرتے کہ اگر اس نے تمہیں اس مصیبت سے نجات دی تو تم اس کے مطیع و فرماں بردار بن کر رہو گے اس چبھتے ہوئے سوال کا مخاطب کے پاس کوئی جواب نہیں تھا چنانچہ وہ بے بس اور لاجواب ہوگیا اس لیے قرآن نے خود اس کا جواب دیا کہ یہ اور کس طرح کی دوسری مصیبتوں اور پریشانیوں سے صرف ایک ہی ذات نجات دیتی ہے مگر حیرت ہے کہ اس حقیقت کا بار بار مشاہدہ کرنے کے باوجود تم لوگ توحید کی روشن صراط مستقیم کو چھوڑ کر شرک کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے ہو۔

قرآن نے یہاں انسانی فطرت کے جس اندرونی احساس اور باطنی کیفیت کی ترجمانی کی ہے وہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ توحید ہی انسان کی اصل فطرت ہے جس پر خود اس کا وجود اور اس کی داخلی زندگی مکمل طور پر شاہد ہے۔

اسی طرح کی نفسی دلیل قرآن میں بکثرت بیان ہوئی ہے خود اسی سورہ میں ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ	کہہ دو! بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے
اللّٰہِ اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیْرَ	یا قیامت آدھمکے تو کیا تم اللہ کے سوا
اللّٰہِ تَدْعُوْنَ اِنْ کُنْتُمْ	کسی اور کو پکاروگے اگر تم اپنے دعویٰ
صٰدِقِیْنَ ○ بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ	میں سچے ہو بلکہ اسی کو پکاروگے تو وہ دور
فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ	کردیتا ہے اس مصیبت کو جس کے دفع کے

اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ لیے تم اسے پکارتے ہو اگر چاہتا ہے اور
(الانعام: ۴۰-۴۱) جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان کو بھول جاتے ہو۔

أَرَءَيْتَكُمْ کس قدر موثر اور بلیغ اسلوب ہے کہنا یہ ہے کہ کیا یہ واقعہ اور خود تمہارا روزمرہ کا مشاہدہ نہیں ہے کہ عذاب الٰہی اور مصائب و آلام کے وقت تم اپنے معبودوں اور شرکا کو بھول جاتے ہو اور صرف خدائے ذوالجلال ہی کو یاد رکھتے ہو اور اسی کو پکارتے ہو اور اگر اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے تو وہی تم سے ان مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔

فطرت کا یہی عین اقتضا اور وجدانی احساس توحید کی بین اور واضح دلیل ہے۔

تاریخی دلائل

قرآن مجید کا ایک معروف اسلوب یہ ہے کہ وہ گزشتہ قوموں کے حالات و معاملات، گزرے ہوئے واقعات، ثابت و قائم آثار اور آزمائی ہوئی سنت اللہ کا ذکر کر کے بھی دلائل و شواہد مہیا کرتا ہے، قرآن مجید میں فطری استدلال کے بعد عموماً تاریخی واقعات مزید ثبوت کے لیے پیش کیے جاتے ہیں، یہ تاریخی دلائل آفاقی و انفسی دونوں طرح کے دلائل کے جامع ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس طرح کے مواقع پر اکثر معاد اور جزا و سزا پر استدلال مقصود ہوتا ہے تاہم ان میں اس حیثیت سے توحید کے دلائل بھی مضمر ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت، اس کی قدرت و کارسازی، اس کے تصرف و اختیار، اس کے انتظام و اہتمام اور اس کے عدل و مشیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے، وہ اپنے علم و حکمت اور عدل و مصلحت کے مطابق ایک امت کو فنا کر کے دوسری امت کو برپا کرتا ہے اور ہلاک شدہ قوموں کے آثار و نتائج اور ان کی ویران بستیوں کو بعد میں آنے والوں کے لیے سرمایۂ عبرت بنا دیتا ہے تاکہ وہ بھی دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں اور شریروں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے، یہ تاریخی واقعات اس بات کی دلیل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عادل و منصف ہے اور سارے معاملات کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کی قدرت و حکمت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بے شمار ہیں ہم اختصار کی وجہ سے صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

سورۂ ذاریات میں دلائل فطرت کے بعد تاریخی واقعات کا ذکر ہے جو اصلاً آخرت اور جزا و سزا کے اثبات کے لیے پیش کیے گئے ہیں مگر ان میں بعض حیثیتوں سے توحید کے دلائل

بھی موجود ہیں جن کی توضیح سطور ذیل میں کی جاتی ہے پہلے آفاقی دلائل یعنی ابر و باد کی شہادت پیش کی ہے اس میں ان کے مختلف حالات اور عجیب قسم کے تصرفات کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ یہ خدا کی قدرت و حکمت، اس کی ربوبیت و رحمت اور اس کے عدل و تصرف کی عجیب نشانیاں ہیں، ہواؤں اور بادلوں کی اس طرح گردش و حرکت میں عام مخلوق کے لیے نفع اور خاص خاص جماعتوں کے لیے نقصان کا پہلو نمایاں پہلو ہوتا ہے، یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ یہ کارخانہ عالم بے قصد اور بے نظام نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کی مشیت و حکمت کے مطابق چل رہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ہر چیز یہاں تک کہ ہوا بھی اس کے اختیار میں ہے اور وہ اسی کے حکم سے چلتی ہے، اس کی حرکت اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کے ظہور کی شہادت دیتی ہے۔

اس کے بعد اجمال کے ساتھ آفاق و انفس کی دلیلوں کی جانب توجہ دلائی گئی ہے پھر تاریخی واقعات کا ذکر بطور شہادت اور مزید تائید کے لیے کیا گیا ہے، قرآن مجید کی بلاغت دیکھئے کہ چونکہ سورہ کی ابتدا میں ابر و باد کی شہادتیں پیش کی گئی تھیں اس لیے یہاں انہی قوموں کی سرگزشتوں کا اس نے انتخاب کیا ہے جن کی ہلاکت ابر و باد سے ہوئی تھی۔

پہلے حضرت ابراہیم کے پاس فرشتوں کے رحمت کا پیام لے کر آنے اور حضرت لوط کی قوم کے پاس عذاب و نقمت کا تازیانہ لے کر آنے کا ذکر ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ کہا گیا تھا کہ "زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اس کے اندر خدا کی رحمت و پروردگاری کی بھی نشانیاں ہیں اور اس کے قہر و غضب کی بھی نشانیاں ہیں کیونکہ اس کے اندر سے وہ اپنے بندوں کو رزق عطا فرماتا ہے نیز اس نے مجرموں پر جو عذاب نازل کیے ہیں اس کے آثار زمین کے چپہ چپہ پر موجود ہیں۔ اوپر کی آیتوں میں اس کا ذکر بھی تھا کہ آسمان کے اندر بندوں کے لیے روزی بھی ہے اور وہ عذاب بھی ہے جس کی خبر دی جارہی ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوط کی اس مشترک سرگزشت میں رحمت و بشارت اور عذاب و انذار دونوں چیزیں جمع کر دی گئی ہیں، وہی فرشتے جو حضرت ابراہیم کے لیے بشارت لے کر آئے تھے وہی قوم لوط کے لیے عذاب لے کر نازل ہوئے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت میں بھی اللہ کی رحمت و انتقام کی نشانیاں بیان ہوئی ہیں، اس کے عاد و ثمود اور قوم نوح کی سرگزشتوں کی طرف نہایت اجمالی

اشارہ کیا ہے کہ ان سب میں بھی پیغمبروں کے ساتھ خدا کی تائید اور ان کے نافرمانوں کے ساتھ اس کے عذاب کی نشانیاں ہیں۔

ان دلائل کا مقصد کفار کو اس بات کی دعوت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا رب ہے، اس نے تم کو پناہ دی ہے اور رزق عطا کیا ہے، اگر تم نے اس کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی تو اس کا انجام بہت برا ہوگا اور لازماً تم پر بھی اسی طرح کا عذاب آئے گا جو گزشتہ قوموں پر آچکا ہے۔ خدا کے سوا نہ کوئی رب ہے اور نہ کوئی پناہ دینے والا، ہر چیز سے اس کی رحمت وقدرت اور اس کے احاطۂ علم وحکمت کی شہادتیں مل رہی ہیں اس وجہ سے اسی کی طرف بھاگو اور ان رسولوں کی بات مانو جن کو اس نے لوگوں کو اپنی طرف اور نیکی دبھلائی کے کاموں کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجا ہے تاکہ وہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ ان قصوں میں انذار وتخویف کے ساتھ ہی لوگوں کو خدائے رحمان ورحیم کی طرف رجوع کرنے کی دعوت بھی دی گئی ہے۔

قرآن کے بعض اسالیب میں دلائل توحید

قرآن مجید نے توحید کو ثابت کرنے کے لیے استدلال کا وضعی اور منطقیانہ انداز نہیں اختیار کیا ہے بلکہ بسا اوقات اس کا دلآویز اسلوب اور دل نشین طرز بیان خود اتنا مدلل ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں بڑی بڑی دلیلیں اور لمبی لمبی تقریریں بھی بے کار ہوتی ہیں، یہ اس کی بلاغت اور ایجاز کا کمال ہے، بعض دفعہ تو وہ ایک لفظ بلکہ ایک حرف لاکر مخالف کے اعتراضات وشبہات کا سارا تار و پود بکھیر دیتا ہے جو اس کے مدعا کی نہایت صریح اور واضح دلیل بھی ہوتی ہے۔

سورۂ انعام کی پہلی آیت ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	سب شکر اللہ ہی کے لیے ہے جس نے
وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ	آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیاں اور
وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا	روشنی بنائی پھر تعجب ہے کہ جن لوگوں نے
بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ (انعام: ۱)	کفر کیا وہ اپنے رب کے ہمسر ٹھہراتے ہیں۔

آیت بالا میں ثم اظہار تعجب کے لیے آیا ہے اور صرف اسی حرف نے توحید کو آفتاب نصف النہار کی طرح روشنی اور شرک کو بیخ وبن سے اکھیڑ دیا ہے، استدلال کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب تمہارے نزدیک بھی خدا کا آسمان وزمین اور نور وظلمت کا خالق ہونا

مسلم ہے تو پھر اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات اور کیا ہوگی کہ کسی کو اس کا ہمسر اور شریک بنایا جائے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ کائنات کی جن اشیا میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے غور کرو تو ان میں بڑی یکسانی اور ہم آہنگی دکھائی دے گی، ظاہر ہے یہ کسی ایک ہی بالاتر ہستی کے ارادہ کی کارفرمائی ہو سکتی ہے، ایسی صورت میں جو لوگ ان متضاد چیزوں کے الگ الگ خالق مانتے ہیں ان کا طرز عمل کتنا تعجب خیز ہے۔

قرآن مجید کبھی کبھی سوال و استفہام کا انداز اختیار کر کے توحید کی نہایت موثر دلیل پیش کرتا ہے، یہ استفسار و سوال بجائے خود حجت بالغہ اور برہان قاطع پر مشتمل ہوتا ہے، ایسے موقع پر کلام کا زور و اثر اور بلاغت کی خوبیاں حد بیان سے باہر ہوتی ہیں مثلاً

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ	وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین
وَاَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ	کو پیدا کیا اور جس نے آسمان سے تمہارے
مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ	لیے پانی برسایا، پھر اس سے خوشنما باغ
بَهۡجَةٍ مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ	اگائے، حالانکہ تمہارے بس کی یہ بات
تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ	نہ تھی کہ ان باغوں کے درخت اگاتے کیا
اللّٰهِ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ	اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے
اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا	مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کا شیوہ ہی کج روی
وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ	ہے، اچھا بتلاؤ وہ کون ہے جس نے زمین
لَهَا رَوَاسِىَ وَجَعَلَ بَيۡنَ	کو ٹھکانا بنا دیا اور اس کے درمیان نہریں
الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ	جاری کر دیں اور اس میں پہاڑ نصب کر دئے
مَّعَ اللّٰهِ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا	اور دو سمندروں میں ایک دیوار حائل کر دی
يَعۡلَمُوۡنَ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ	کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے
الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ	مگر ان میں اکثر لوگ ایسے ہیں جو نہیں جانتے
السُّوۡٓءَ وَيَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ	اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو بے قراروں کی
الۡاَرۡضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ	پکار سنتا ہے جب وہ اسے پکارتے ہیں
قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ اَمَّنۡ	اور ان کے درد کو ٹال دیتا ہے اور وہ
يَّهۡدِيۡكُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ	کہ اس نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا

وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ
بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ
يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ
وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

(نمل: ۶۱-۶۴)

ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی
معبود ہے؟ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ
تم نصیحت پذیر ہو، اچھا بتلاؤ وہ کون
ہے جو صحراؤں اور سمندروں کی تاریکیوں
میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے، وہ کون ہے
جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے
والی ہوائیں بھیجتا ہے کیا اللہ کے ساتھ
کوئی دوسرا معبود بھی ہے، اللہ کی ذات
تو اس ساجھے سے پاک ہے جو یہ لوگ
اس کی الوہیت میں ٹھہرا دیتے ہیں، اچھا
بتلاؤ وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش
پہلے کرتا ہے اور پھر بعد میں ان کا اعادہ کریگا
اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین کے کارخانۂ
رزق سے تمہیں روزی دے رہا ہے کیا
اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے،
ان سے کہو اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو
اپنی دلیل پیش کرو!

ان سوالات نے کفر و شرک کی جڑ جس طرح کھوکھلی کر دی ہے اور توحید کو جس قدر پرزور اور پر اثر انداز میں ثابت کر دیا ہے کیا وہ سیکڑوں قضایا و مقدمات ترتیب دے کر بھی ہو سکتی تھی اس کی ایک اور مثال سورہ واقعہ آیات ۶۳ تا ۷۳ میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اللہ کی مثبت و منفی صفتوں سے توحید کی دلیلیں

قرآن مجید نے توحید کی دلیلیں اس طرح بھی پیش کی ہیں کہ وہ اللہ کا ذکر کرنے کے بعد اس کی مثبت و منفی صفتیں بیان کرتا ہے جو خدا کی وحدانیت اور کمال کا بین ثبوت ہوتی

ہیں، اس کی مثال سورۂ اخلاص میں ملتی ہے، مولانا حمید الدین فراہیؒ اس سورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

> "پہلے اللہ کا ذاتی نام آیا ہے جو اپنا مفہوم و کمال، اپنی جامعیت اور وحدانیت ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کیونکہ خود مجرد اس کے نام ہی کے اندر تمام صفات و کمالات کی دلیل موجود تھی مگر اس کے بارہ میں لوگوں کی عام نافہمی کی بنا پر اس کی صفتیں بھی بیان کر دی گئی ہیں تاکہ خدائے واحد کی ذات کے بارہ میں کوئی شک و شبہہ باقی نہ رہے، قرآن مجید کا یہ بھی ایک خاص اسلوب ہے کہ وہ پہلے ایک بات کو مجملاً بیان کرتا ہے پھر اس کی تفصیل کرکے اسے مزید موکد و مدلل کرتا ہے، اس سورہ میں یہی اسلوب ہے ...."

اس وضاحت کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ اہل عرب گو اللہ کے مفہوم سے آشنا تھے مگر اس کی وسعت و گہرائی سے غافل تھے۔ قرآن نے اس مفہوم کو اچھی طرح ظاہر کرکے بتا دیا کہ اس کے لوازم سے غفلت کرنا درحقیقت اس کا انکار کرنا ہے، علاوہ ازیں یہود و نصاریٰ کو بھی گمراہی اور غلط فہمی اصلاً صفات الٰہی ہی کے بارہ میں پیش آئی۔ جس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

سورۂ اخلاص میں جو صفات بیان ہوئی ہیں ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو ان میں صغریٰ و کبریٰ کے مقدمات نہیں ہیں مگر یہ تمام تر دلیلیں ہیں۔

احد سے خدا کا اکیلا، نرالا، یکتا اور بے ہمہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اللہ کو احد کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ وہ قدیم اور لم یزل ہے اور باقی سب مخلوق ہیں اس لیے خدا کے سوا نہ کوئی ہمیشہ سے ہے اور نہ ہمیشہ رہے گا۔

جب خدا کی اوّلیت و قدامت ثابت ہوگئی تو اس سے اس کا سب کا خالق ہونا بھی ظاہر ہوگیا اور یہ بھی کہ تمام نعمتیں اسی کی بخشش ہیں وہ سب سے بے نیاز ہوا اور سب اس کے نیازمند ہوئے اور تمام خوبیاں جو کہیں بھی پائی جائیں ان کا مبدأ اور اصل وہی ذات پاک ٹھہری اس لیے ایک حاجت مند اور حسن پرست کا رخ ادھر ہی ہونا چاہیے۔ اللہ کی بے ہمگی اور بے نیازی کے نتیجہ میں بعض لوگوں نے کم فہمی کی وجہ سے خدا کو

ایک بے پروا، گوشہ نشین علت العلل سمجھ لیا اور اس کائنات میں پھیلی ہوئی اس کی نشانیوں اور نعمتوں پر بھی توجہ نہیں کی، اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے احد کے ساتھ صمد کی صفت بھی بیان کی گئی جس کے اصل معنی چٹان کے ہیں جس کی پناہ میں اس وقت آجاتے تھے جب دشمن حملہ آور ہوتے تھے، قوم کے سردار کو بھی صمد کہتے ہیں کیونکہ وہ سب کا پشت پناہ اور مرجع ہوتا ہے اور جس کی طرف مصائب کے موقع پر سب لوگ متوجہ ہو جاتے ہیں، پس اللہ کو صمد کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ وہ بے ہمہ ہونے کے ساتھ باہمہ، سب کی امداد، دستگیری اور خبر گیری کرتا ہے، تمام قوت واحسان کا سرچشمہ وہی ہے، جب اس سے مانگو دینے کے لیے تیار رہتا ہے بلکہ خود مانگنے کی توفیق دے کر بخشش کرتا ہے، تمہارا یہ سمجھنا غلط ہے کہ وہ بے پروا اور بے نیاز ہے اس لیے اس کا سارا کاروبار دوسرے معبود اور شرکا انجام دیتے ہیں۔

اب منفی صفتوں پر غور کرو، پہلے دو باتوں کی نفی کی گئی ہے کہ نہ وہ باپ ہے اور نہ بیٹا، یہ بات اللہ کے اکیلے اور بے ہمہ ہونے سے خود ہی ظاہر ہے مگر باہمہ ہونے کی بنا پر اگر کچھ شبہہ ہو سکتا تھا تو اس سے اس کی بھی تردید ہوگئی اور یہ ثابت ہوگیا کہ وہ اس قسم کی نسبتوں اور تعلقات سے منزہ اور پاک ہے، سب سے آخر میں ارشاد ہوا کہ کوئی اس کی برابری کا نہیں، اوپر جو صفتیں بیان کی گئی ہیں ان سے خود ہی یہ حقیقت عیاں ہوگئی ہے مگر مزید وضاحت اس لیے کی گئی ہے کہ عام لوگ اپنے اندر ہی کے کچھ ممتاز اور مخصوص افراد کی نسبت دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی غیر معمولی قابلیت وصلاحیت دیکھ کر انھیں بالاتر ہستی سمجھنے لگتے ہیں، نصاریٰ کو حضرت مسیحؑ کے متعلق یہی دھوکہ ہوا تھا اسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیرؤوں کو ہدایت فرمائی کہ میرے بارہ میں اس طرح کے غلو میں نہ پڑنا کیوں کہ خدا کی برابری اور ہمسری کا کوئی شخص بھی نہیں ہو سکتا وہ ذات پاک تو سب کا مرجع وملجا ہے اور تمام عالم کا روئے نیاز صرف اسی کی طرف ہے تو تمام بندگان الٰہی ایک ہی سطح عبودیت پر آگئے اور ہر ایک قسم کا فرق جس سے بنی آدم ایک دوسرے کے ارباب بن رہے تھے مٹا دیا گیا، غلام اور آقا ایک کر دئے گئے، پیغمبر اور عامہ امت کے حقوق برابر ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیٔ کو اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان بحصہ مساوی تقسیم کر دیا، انصار میں سے نقبا منتخب کیے تو اپنے تئیں بھی ایک نقیب قرار دیا، البتہ فطری اور ضروری فرق مراتب کا قائم رکھنا واجب تھا مثلاً پیغمبر کی اطاعت فرض تھی..... بایں ہمہ اس کو بھی ایسی حد معتدل پر رکھا جس سے

کم کرنا ممکن نہیں مثلاً منع کر دیا کہ میرے سامنے عجم کی طرح کھڑے نہ ہو۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ سورۂ اخلاص میں خدا کی جن صفتوں کا ذکر ہے وہ توحید کی دلیلیں ہیں، آیۃ الکرسی میں بھی اسی طور پر خدا کی مثبت و منفی صفتیں بیان کرکے توحید پر استدلال کیا گیا ہے، یہ آیت بھی دراصل شرک و شفاعت کی تردید اور توحید کے ثبوت کی ایک اہم اور عظیم آیت ہے۔

تمام انبیاء نے توحید کی دعوت دی ہے

قرآن مجید نے توحید کو ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ محض وہی اس کی دعوت نہیں دے رہا ہے جو تم لوگ اس سے اس قدر متنفر اور بیزار ہو بلکہ یہ تو وہ اصل الاصول اور بنیادی تعلیم ہے جس کو تمام انبیاء دیتے چلے آئے ہیں اس لیے تمہارا اسے قرآن کی نئی اور انوکھی دعوت سمجھ کر نظر انداز کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، یہ تو دراصل تمام صحف سماوی اور کتب الٰہی کی مشترکہ اور عالمگیر تعلیم و دعوت ہے، دنیا میں جتنے پیغمبر بھی آئے سب نے اس کی متفقہ دعوت دی ہے بلکہ ان کی تعلیم و ہدایت کا نقطۂ آغاز بھی یہی تھا، ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ	اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے ان
رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ	کی طرف اسی بات کی وحی کی کہ اللہ کے سوا
اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنَ (انبیاء:۲۵)	کوئی معبود نہیں، پس میری ہی بندگی کرو۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا	اور ہم نے ہر جماعت میں ایک رسول بھیجا
اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا	جس نے دعوت دی کہ خدا ہی کی عبادت
الطَّاغُوْتَ (النحل-۳۶)	کرو اور طاغوت (کی پرستش) سے بچو!

اسی طرح متعدد انبیاء کا نام لے کر بتایا ہے کہ ان کی اولین و بنیادی دعوت توحید تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ جو مسلمانوں، یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب کے مقتدا و امام تھے ان کی شرک و بت پرستی سے نفرت و برات اور دعوت توحید کو قرآن نے یادگار بات کہا ہے۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ	اور اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کی
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (زخرف:۲۸)	بات کو کلمۂ باقیہ (یادگار بات) بنایا۔

توحید اور خدا پرستی کا یہی زندہ جاوید کلمہ ہماری نمازوں کا سرنامہ بنا۔

حضرت یعقوبؑ نے مرض الموت میں توحید اور اسی ملت ابراہیمی پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت مسیحؑ بھی دنیا میں توحید ہی کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے تھے مگر ان کے پیروؤں نے انہی کو رب اور الٰہ بنا لیا۔

گزشتہ تمام دینی نوشتوں اور ربانی صحیفوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان کے متبعین نے ان کی اس تعلیم کو فراموش کر دیا، ہندوستان کے رشیوں اور منیوں کے یہاں بھی توحید کی تعلیم و دعوت کی صراحت ملتی ہے، گوتم بدھ کے ماننے والوں نے گوان کی خاک اور یادگاروں پر معبد تعمیر کر ڈالے ہیں اور اب اس مذہب کی اشاعت کا ذریعہ ہی یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کے مجسموں سے زمین کا کوئی گوشہ خالی نہ رہے اور یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں کسی معبود کے بھی اتنے مجسمے نہیں بنائے گئے جتنے گوتم بدھ کے بنائے گئے ہیں حالانکہ ان کی آخری وصیت جو ہم تک پہنچی ہے یہ ہے:۔

ایسا نہ کرنا کہ میری نعش کی راکھ کی پوجا شروع کر دو، اگر تم نے ایسا کیا تو یقین کرو کہ نجات کی راہ تم پر بند ہو جائے گی"

خود قرآن جو سرتاپا توحید کی تعلیم و دعوت ہے اور جس کے بارہ میں مشہور مورخ گبن کی یہ شہادت موجود ہے کہ:۔

"محمدؐ کا اعتقاد گمان اور شبہ سے پاک تھا اور قرآن خدا کی توحید کی ایک عالی شان گواہی ہے، نبی مکی نے بتوں کی اور انسانوں کی، ثوابت اور سیاروں کی پرستش کو اس عقلی اصول پر باطل کر دیا کہ جو طلوع ہوتا ہے وہ غروب ہوتا ہے اور جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا ہے اور جو چیز بگڑ سکتی ہے وہ ضرور فنا ہو کر رہے گی، خلاق عالم کی پرستش اس کی عاقلانہ محبت نے اس اقرار کے ساتھ کہ وہ غیر متناہی اور قدیم ہے، صورت اور مکان سے منزہ ہے، نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ مشابہ، ہمارے چھپے سے چھپے خیالات پر مطلع، اپنی ہی ذات سے واجب الوجود اور اپنی ہی ذات سے علم اور نیکی میں کامل"

(بحوالہ سورۂ اخلاص مولانا فراہی ص۲۳)

مگر قرآن کے ماننے والوں کا توحید کے معاملہ میں جو حال ہو گیا اس کی مولانا حالی سے

بڑھ کر کون ترجمانی کرسکتا ہے۔

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں　　پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

مآخذ و مراجع

۱۔ قرآن مجید

۲۔ العقائد الی عیون العقاد	المعلم عبدالحمید الفراہی	دائرہ حمیدیہ مدرستہ الاصلاح سرائمیر
۳۔ اسالیب القرآن	"	"
۴۔ تفسیر سورۂ ذاریات	"	"
۵۔ تفسیر سورۂ اخلاص	"	"
۶۔ تفسیر سورۂ فاتحہ و آیت بسم اللہ	"	"
۷۔ علم الکلام حصہ اول	علامہ شبلیؒ	معارف پریس اعظم گڑھ
۸۔ "	"	"
۹۔ سیرت النبی جلد چہارم	مولانا سید سلیمان ندوی	"
۱۰۔ ترجمان القرآن	مولانا ابوالکلام آزاد	مدینہ برقی پریس بجنور
۱۱۔ حقیقت شرک	مولانا امین احسن اصلاحی	دائرہ حمیدیہ، قرول باغ دہلی
۱۲۔ حقیقت توحید	"	مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی
۱۳۔ تدبر قرآن جلد دوم	مولانا امین احسن اصلاحی	لاہور
۱۴۔ مسدس حالی	خواجہ الطاف حسین حالی	